اَلْمَوَدَّۃُ فِی الْقُرْبیٰ کا مفہوم

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج
اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ علومِ اسلامی، جامعہ کراچی

﴿ قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ. ﴾ الشوریٰ ۲۳

یہ ہے وہ معروف قرآنی فقرہ جس کا فقط ایک حصہ اس وقت زیرِ بحث ہے اور وہ ہے اِلَّا المودۃ فی القربیٰ مگر چوں کہ اِلَّا بغیر لا کے سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ اس لیے بات لا سے شروع کرنی پڑے گی۔ مگر ٹھہریے!

اس فقرہ میں قل کے مخاطب تو صاحبِ قرآن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں البتہ ﴿لااسئلکم علیه اجراً الاالمودة فی القربیٰ﴾ کے مخاطبین کفار و مشرکین ہیں اور ہمارے اس خیال پر اندرونی اور بیرونی ہر دو طرح کی شہادتیں بھی موجود ہیں.......... اندرونی شہادت یہ کہ قرآن اس امر سے پہلے جو امور بیان کر رہا ہے اس کا تعلق مشرکین سے ہے اور یہ امر بھی چوں کہ اس سلسلۂ بیان کی ایک کڑی ہے جو اوپر سے چلا آ رہا ہے اس لیے اس کے مخاطب بھی وہی مشرکین ہوئے۔ ملاحظہ ہو مذکورہ بالا آیت کی ماقبل آیت ﴿تری الظلمین مشفقین مماکسبوا..........﴾ الخ (شوریٰ ۲۲) آپ ظالموں کو دیکھیں گے وہ اپنے کیے پر خوف زدہ ہوں گے اور دیکھیے آیتِ مابعد ﴿ام یقولون افتریٰ علی الله کذبا ....﴾ الخ (شوریٰ ۲۴) کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان باندھا۔

اندرونی شہادت کے حق میں اب بعض، اردو میں قرآن حکیم کے علماء تفسیر کے

حوالے بھی ملاحظہ ہوں ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں ''تم کفار سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا، ہاں اتنا تو ضرور کہتا ہوں کہ اور کچھ نہیں میرے اور اپنے رشتے کے تعلق کا لحاظ تو ضرور رکھو۔''[۴] گویا امرتسری صاحب کے ہاں بھی اس کے مخاطب کفار ہیں۔

عبدالماجد دریا بادی فرماتے ہیں ''(اے اہلِ قریش!) عزیزوں، قریبوں کی محبت اور ایک دوسرے کی خیر خواہی ضرب المثل کی حد تک شہرت رکھتی ہے۔ عرب میں حقوقِ قرابت کی پاسداری اور زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ یہ انھیں کے جذباتِ شرافت سے اپیل ہے، گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے یہ کہہ رہے ہیں اور کچھ نہ سہی تو عزیز داری ہی کا خیال کر کے میرے اُوپر ظلم و زیادتی سے باز رہو۔''[۵] اس حاشیہ کی ابتداء ہی ''اے اہلِ قریش!'' کے خطاب سے ہو رہی ہے جو اس امر کی صاف دلیل ہے کہ دریا بادی صاحب کے ہاں بھی اس کے مخاطب قریش مکہ یعنی کفار و مشرکین ہیں۔

نیز عبدالماجد دریا بادی فرماتے ہیں ''مفسر تھانوی نے لکھا ہے کہ مودۃ فی القربیٰ کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے بعد ایمان مطلوب ہی نہیں بلکہ یہ تو ایمان ہی کا تدریج و لطافت کے ساتھ طریقِ موصل بتایا ہے''[۶]۔ اس حوالہ میں یہ فقرہ پھر پڑھیے ''اس کے بعد ایمان مطلوب نہیں'' مطلب یہ کہ مفسر تھانوی کے نزدیک بھی یہ خطاب کفار سے ہے نہ کہ مومنوں سے۔

محمد مالک کاندھلوی فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار مکہ کو یہ خطاب بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو فرمایا تھا یا **قوم لِمَ تو ذوننی و قد تعلمون انی رسول الله الیکم**. یعنی اے میری قوم تم مجھے کیوں ستاتے ہو۔ حالانکہ تمھیں معلوم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، تمہاری طرف بھیجا ہوا، تو اس طرح آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا اے میری قوم میں تم سے اس دعوت و تبلیغ اور پیغامِ نصیحت پر کوئی معاوضہ تو نہیں چاہتا، البتہ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم سے جو قرابت و رشتہ داری ہے اس کے باعث میری طرف کچھ رُخ کرو اور میری بات سنو، مجھے ایذا نہ پہنچاؤ''[۷]۔ یہ

اقتباس بھی اس امر کا موید ہے جو ہمارا مقصودِ بیان ہے۔

سید ابو الاعلیٰ موجودی فرماتے ہیں: ''اس تقریر کے مخاطب اہلِ ایمان نہیں بلکہ کفار ہیں۔ اوپر سے ساری تقریر اُنہی سے خطاب کرتے ہوئے ہوتی چلی آ رہی ہے اور آگے بھی روئے سخن اُنہی کی طرف ہے''۔[5]

اور امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں ''مطلب یہ ہے کہ قریش کے ان برخود غلط لیڈروں کو آگاہ کر دو کہ تمہاری تمام ناقدریوں، بے زاریوں اور دل آزاریوں کے باوجود میں اس طرح جو اپنے رات دن تمہارے[6] پیچھے ایک کیے ہوئے ہوں تو یہ نہ سمجھو کہ اس میں میری کوئی ذات غرض پوشیدہ ہے''۔

مذکورہ بالا مفسروں کے نزدیک ''لااسئلکم'' میں کم کے مخاطب بلا اختلاف مشرکینِ مکہ ہیں۔

اندرونی شہادت کے بعد اب آیئے بیرونی شہادت پر...... بیرونی شہادت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ سورۃ بلا اختلاف مکی ہے۔ اس کے مکی ہونے میں شیعوں کو بھی اختلاف نہیں۔ اس ضمن میں فقط یہ حوالہ ہی کافی ہوگا کہ مشہور شیعہ مترجم و محشی فرمان علی نے بھی اس سورۃ کو مکی لکھا ہے[7]۔ گویا اس سورۃ کے مکی ہونے میں سنی و شیعہ ہر دو کا اتفاق ہے اور جب یہ امر اتنا پختہ اور اجماعی ہے تو خود بخود ثابت ہو جاتا ہے کہ اس فقرہ کا وہ مفہوم جو اہلِ بیت سے منسوب کر کے بیان کیا جاتا ہے، وہ درست نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ مکہ میں حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کا عقد مسنونہ ہی نہیں ہوا تھا اور جب یہ نکاح ہی نہیں ہوا تو حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ .... کیسے موجود ہوسکتے تھے؟ پھر مکہ میں اس فقرہ کا انتساب ان ہستیوں سے منسوب کرنا کہاں تک درست ہوسکتا تھا؟ اس پر اہلِ انصاف خود غور فرمائیں۔

مزید اطمینان کے لیے ذیل میں چند حوالے اور ملاحظہ ہوں:

امین احسن اصلاحی کے بقول ''سورہ کے مطالب پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مکی دور کے آخر میں ہجرت سے متصل زمانے میں نازل ہوئی، چناں چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قریش کے لیڈروں کو اس میں جو خطاب ہے اس کی نوعیت و داعی خطاب کی ہے''[8]۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی کے بقول ''اول تو جس وقت مکہ معظمہ میں سورۃ شوریٰ نازل ہوئی ہے۔ اس وقت حضرت علیؓ و فاطمہؓ کی شادی تک نہیں ہوئی تھی، اولاد کا کیا سوال''[9]۔ صلاح الدین یوسف کے بقول ''پھر یہ آیت اور سورۃ مکی ہے جبکہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے درمیان ابھی عقد زواج بھی قائم نہیں ہوا تھا۔ یعنی ابھی وہ گھرانہ معرض وجود میں ہی نہیں آیا تھا جس کی خود ساختہ محبت کا اثبات اس آیت سے کیا جاتا ہے''[10] اور محمد مالک کاندھلوی کے بقول ''سورہ شوریٰ بالاتفاق مکی سورۃ ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ہوا اور حضرت حسن بن علیؓ غزوۂ بدر کے بعد ۳ھ میں پیدا ہوئے اور حضرت حسینؓ ۰۴ ہجری میں پیدا ہوئے اور جب یہ سورۃ مکی ہے تو لامحالہ یہ آیت حسن و حسینؓ کی پیدائش سے قبل نازل ہوچکی تھی، تو یہ کیوں کر ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر ایسی قرابت سے فرمائیں، جس کا اس وقت کہیں وجود ہی نہیں، بالخصوص اس صورت میں کہ القربیٰ معرف بالام ہے اور معرفہ وہاں لایا جاتا ہے، جہاں مخاطبین کو معلوم اور ان کے نزدیک معروف ہو اور جو پیدا بھی نہیں ہوا وہ مخاطبین کو معروف و معلوم کیسے ہوسکتا ہے''............ الخ ۱۱۔

جیسا کہ ابتداء میں کہا گیا تھا کہ اس فقرہ کا صحیح اور کامل ابلاغ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ یہ تعین نہ ہو جائے کہ اس کا مخاطب کون ہے؟ چناں چہ مذکورہ بالا معروضات و حقائق کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے کہ اس جملہ کے مخاطب مسلمان نہیں بلکہ کفار و مشرکین مکہ ہیں۔ اس وضاحت کے بعد اب ہم ذیل میں اس آیت کے مختلف اردو تراجم کا ایک جائزہ پیش کرتے ہیں۔

اس آیت کا سب سے زیادہ اور کثرت سے ہونے والا ترجمہ وہ ہے جو قرابت

یا رشتہ داری کی محبت پر مشتمل ہے۔ نمونہ کے طور پر ایک ترجمہ ملاحظہ ہو۔

''آپ فرما دیجیے اس (تبلیغِ رسالت) پر میں تم سے کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا، قرابت کی محبت کے سوا۔'' (احمد سعید کاظمی) اس مفہوم پر مشتمل، جن مترجمین کے ترجمے ہمیں ملتے ہیں، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں شاہ عبدالقادر دہلوی، شاہ رفیع الدین دہلوی، ڈپٹی نذیر احمد، عبدالحق حقانی، احمد رضا خان بریلوی، محمود حسن، اشرف علی تھانوی، احمد سعید دہلوی، ثناء اللہ امرتسری، عبدالماجد دریا بادی، فتح محمد جالندھری، محمد جونا گڑھی، سید ابوالاعلیٰ مودودی اور پیر محمد کرم شاہ الازہری وغیرھم۔

اس آیت کا دوسرا ترجمہ یہ کیا گیا ہے جو شیعہ مکتبِ فکر کا ترجمان ہے۔

(اے رسولؐ!) تم کہہ دو کہ میں اس (تبلیغِ رسالت) کا اپنے قرابت داروں (اہلبیت) کی محبت کے سوا تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا''۔ (فرمان علی)

اس آیت کا تیسرا ترجمہ یہ کیا گیا ہے:

''کہہ دو کہ میں نہیں مانگتا، تم سے اس پر کوئی اجر مگر دوستی قرابت داری کی۔'' (محدث کچھوچھوی)

اس آیت کا چوتھا ترجمہ یہ کیا گیا ہے:

''کہ میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا، مگر قریبوں میں باہم محبت (چاہتا ہوں) (محمد علی)۔

اس آیت کا پانچواں ترجمہ یہ کیا گیا ہے:

''تو کہہ دے میں اپنی خدمت کے بدلہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، سوائے اس محبت کے، جو اپنے قریب ترین رشتہ داروں سے کی جاتی ہے''۔ (مرزا بشیر الدین محمود قادیانی)

اس آیت کا چھٹا ترجمہ یہ کیا گیا ہے:

''کہہ دو کہ میں اس پر تم سے کسی صلہ کا طالب تو ہوں نہیں، بس قرابت کا حق ہے جو ادا کر رہا ہوں''۔ (امین احسن اصلاحی)

اب ذیل میں مذکورہ بالا تراجم کو تفاسیر کی روشنی میں دیکھیے:

سب سے پہلے اول الذکر ترجمے کی رو سے ہونے والی بعض تفاسیر کے منتخبات ملاحظہ ہوں۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری فرماتے ہیں:

اِلّا حرفِ استثناء ہے۔ یہاں مستثنیٰ منقطع ہے یعنی **المودة فی القربیٰ** جو مستثنیٰ ہے۔ یہ مستثنیٰ منہ میں داخل نہیں تاکہ آیت کا یہ مفہوم ہو کہ میں تم سے کوئی اجر، کوئی معاوضہ، طلب نہیں کرتا مگر یہ اجر طلب کرتا ہوں کہ تم آپس میں پیار اور محبت کرو۔ تقریباً یہی مفہوم ایک دوسری آیت میں بیان کیا گیا۔ ﴿**قل لا اسئلکم علیه اجراً اِلامن شاء ان یتخذ الیٰ ربه سبیلا**﴾. (الفرقان) یعنی میں اس پر تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا، میرا یہی اجر ہے کہ تم میں سے کون معرفتِ الٰہی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ اس آیت کا بھی یہی مقصد ہے کہ میں تم سے اپنے لیے کوئی اجر طلب نہیں کرتا، سوائے اس کے کہ تم آپس میں محبت اور پیار کرنے لگو''۔[۴۲]

گویا ''قرابت کی محبت'' کا مطلب پیر صاحب کے نزدیک یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذات کے لیے لوگوں سے محبت مطلوب نہیں اور نہ ہی ان کے قرابتداروں سے دوستی، قرابت یا رفاقت مطلوب ہے۔ بلکہ لوگوں کے مابین وہ قرابت یا قرابتداری مطلوب ہے، جو باہم ہو اور اس باہمی الفت و محبت اور دوستی و مودت کے نتیجہ میں انسانی معاشرہ کے تمام افراد، ایک دوسرے کے حقوق پہنچاننے اور ادا کرنے لگ جائیں اور بس......

قرابت کی محبت کی جو تفسیر پیر صاحب نے فرمائی ہے وہ بلاشبہ نہایت عمدہ ہے۔

اس تفسیر کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دعوت دے رہے ہیں اس کا فائدہ انہی مخاطبین کے لیے بیان بھی کر رہے ہیں جو بالآخر ان کو مل کر رہے گا۔ بالکل اس مثال کی طرح جیسے کوئی استاد، اپنی کلاس میں طالب علموں سے کہے کہ میں تمہیں جو پڑھا رہا ہوں اس کا کوئی معاوضہ تم سے نہیں مانگ رہا، بجز امتحان میں کامیابی کے۔﴿ الاالمودۃ فی القربیٰ﴾ کی یہ بہترین تفسیر ہے۔

اب ایک دوسری تفسیر ملاحظہ ہو۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں:

''آیتِ موصوفہ کو باقاعدہ عربی اور با اصلاحِ قرآنِ مجید دیکھا جائے تو مطلب بالکل صاف ہے۔ القربیٰ مصدر ہے بمعنی قرابت۔ اسی لیے اس پر ذو اور ذا مضاف کیصورت میں آتے ہیں۔ چناں چہ ارشاد ہے ات ذا القربیٰ حقہ (قرابت داروں کو انکے حقوق دیا کرو) اس قربیٰ کے استعمال میں مامور کی قرابت کا ضرور لحاظ ہوتا ہے۔ مثلاً یہ جو حکم ہے کہ ات ذاالقربیٰ حقہ اس میں قرابت سے مراد وہی قرابت ہے جس کا تعلق مخاطب سے ہے۔ ایسی قرابت مراد نہیں ہوسکتی، جس سے مخاطب بالکل بے تعلق ہو مثلاً ہم اپنی زبان میں بطور وعظ کہیں، مسلمانو! قرابت داروں کے حقوق ادا کیا کرو۔تو مراد اس سے یہی ہوگی کہ مخاطبو! اپنے قرابت داروں سے سلوک کیا کرو۔ یہ نہیں کہ واعظ کے قرابت داروں کے حقوق ادا کرو۔ ایسا کہنا قطع نظر خود غرضی کے کچھ موزوں بھی نہیں۔ پس معنی آیتِ موصوفہ کے وہی صحیح ہیں جو ہم نے تفسیر میں کیے ہیں [14]۔ ان معنی کی تائید دوسری آیت سے ہوتی ہے جس میں کفار کی مذمت ان لفظوں میں کی گئی ہے۔

﴿لا یرقبون فی مومن الاو لاذمه﴾ (پ ۱۰ ع ۸) یہ کفار مومن کے حق میں نہ رشتہ کا لحاظ کرتے ہیں۔ نہ وعدہ کا۔ ایسے لوگوں کو کہا گیا ہے کہ میں تم کفار سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا، ہاں اتنا ضرور کہتا ہوں کہ اور کچھ نہیں میرے اور اپنے رشتہ کے تعلق کا لحاظ تو ضرور رکھو۔

ان معنی سے الاّ المودۃ، مستثنیٰ منقطع ہی ہوگا جیسے ان معنی سے بھی منقطع ہے'' (اللہ اعلم)۔

ہمارے نزدیک امرتسری صاحب کے حاشیے میں تناقض پایا جاتا ہے۔ ایک طرف تو وہ یہ فرماتے ہیں کہ ''مسلمانو! قرابت داروں کے حقوق ادا کیا کرو''۔ اور قرابت داروں سے مراد وہ مخاطبین کو لیتے ہیں نہ کہ متکلم کو اور اگر متکلم کو مراد لیا جائے تو یہ ان کے نزدیک ''قطع نظر خودغرضی کے، کچھ موزوں بھی نہیں...... اور دوسری طرف وہ فرماتے ہیں کہ ''اور کچھ نہیں میرے اور اپنے رشتہ کے تعلق کا لحاظ تو ضرور رکھو''۔ کیا متکلم کا اپنے مخاطبین سے یہ کہنا، خود ان کے بقول غیر موزوں نہیں۔

نیز موصوف الاالمودۃ کو مستثنیٰ منقطع قرار دیتے ہیں۔ مگر اجر رسالت کی طلب کو خود ان کے حق میں تسلیم کر کے مستثنیٰ متصل کے تحت تفسیر کرتے ہیں، جو ہمارے خیال میں ان کے حاشیے میں تناقض کی دوسری مثال ہے۔

اب ایک تیسری تفسیر ملاحظہ ہو:

محمد مالک کاندھلوی فرماتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کفارِ مکہ کو یہ خطاب بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا تھا۔ ﴿یا قوم لم تو ذوننی و قد تعلمونانی رسول الله الیکم.﴾ یعنی اے میری قوم تم مجھے کیوں ستاتے ہو حالاں کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ تمہاری طرف بھیجا ہوا تو اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا اے میری قوم میں تم سے اس دعوت و تبلیغ اور پیغامِ نصیحت پر کوئی معاوضہ تو نہیں چاہتا البتہ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم سے جو قرابت و رشتہ داری ہے اس کے باعث میری طرف کچھ رخ کرو اور میری بات سنو، مجھے ایذا نہ پہنچاؤ''...... الخ ۱۵۔

نیز فرماتے ہیں:

"حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اِلاّ المودۃ فیالقربیٰ کے یہی معنی منقول ہیں.......... ابن جریر طبریؒ، حافظ عماد الدین ابنکثیرؒ، بغویؒ، امام رازیؒ اور حافظ جلال الدین سیوطیؒ، غرض جملہ اکابرائمہ مفسرین اورامت کے تمام محدثین بالعموم یہی مطلب بیان کرتے ہیں۔ عامر شعبی، ضحاک، علی بنابی طلحہ عوفی اور یوسف بن مہرانؒ نے عبداللہ بن عباس سے یہی معنی بیان کیے ہیں۔[16] ائمہمفسرین میں سے مجاہدؒ، قتادہؒ اور عکرمہؒ نے اس کو اختیار کیا"۔

نیز فرماتے ہیں:

الغرض اس تفسیر سے یہ ظاہر ہوگیا کہ ﴿اِلا المودۃ فی القربیٰ﴾ میں استثناء، استثناء متصل نہیں بلکہ استثنائے منقطع ہے۔ استثناء متصل ہونے کی صورت میں تو مراد "میں تم سے اس تبلیغِ رسالت پر کوئی اجرت و معاوضہ نہیں مانگتا۔ بجز اس معاوضۂ محبتِقرابت کے یعنی تبلیغِ رسالت کے معاوضہ سے مجھ کو بس یہ معاوضۂ محبتِ قرابت مطلوبہے"۔ مگر اس کے برعکس روایاتِ مذکورہ کی بناء پر استثناء منقطع ہوگا، جہاں مستثنیٰ، مستثنیٰمنہ کی جنس سے نہیں ہوتا۔ اس کی مثال ایسی ہے ﴿لا یذوقون فیھا برداً و لاشرابا الا حمیما و غساقاً﴾ میں جس طرح استثناء برد اور شرابا سے حمیما و غساقاً کا کیا گیا کیوں کہ یہ ماقبل کی جنس سے نہیں ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ دوزخی نہیں چکھ سکیں گے، کوئی ٹھنڈک اور نہ ہی کوئی پینے کی چیز مگر کھولتا ہوا گرم پانی اور پیپ (زخموں کی) تو استثناء منقطع ہے۔اسی طرح ﴿الاّالمودۃ فی القربیٰ﴾ استثنائے منقطع ہے، اس لیے کہ مودۃ فی القربیٰ جنسِ اجرت سے نہیں ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مودت فی القربی تبلیغ رسالت کا کسی قسم کا معاوضہ ہے اور آیت کی مراد صاف طور سے یہی ہے کہ میں تم سے کسی قسم کی اجرت کا طالب نہیں، البتہ صرف اس محبت کو یاد دلاتا ہوں، جس کا میں بحقِ قرابت مستحق اور امیدوار ہوں اور ظاہر ہے کہ اس محبت کا یاد دلانا بھی اپنی کسی منفعت کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ بھی صرف تمہارے ہی نفع کے لیے ہے اور یہ

بات قطعی ہے کہ حقِ قرابت کو یاد دلانا یہ کوئی اجرت و معاوضہ نہیں کہلایا جاسکتا۔

الفاظ آیت کی دلالت اس مراد کو متعین کر رہی ہے تمام اہلسنت حضرات اور ائمہ مفسرین نے اسی کو اختیار کیا جیسا کہ بیان کیا گیا۔ نیز آیت میں لفظ فی القربیٰ بھی اسی معنی کی تائید کر رہا ہے''۔

اس آیت کی سب سے زیادہ کی جانے والی تفسیر یہی ہے جو بہت مناسب اور محتاط لفظوں میں کی گئی ہے۔ تاہم اس میں بھی وہی خامی پائی جاتی ہے جو اکثر تفسیروں میں ہے یعنی اجرتِ رسالت کا اثبات بحقِ رسالت، اس تفسیر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بہر حال اپنی رسالت کا اجر، کسی نہ کسی صورت میں مانگنا ظاہر ہوتا ہے جو ہمارے خیال میں شانِ نبوت کے منافی ہے۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری کے بقول ''یہودی اور عیسائی ہمیں طعنہ دے سکتے ہیں کہ ہمارے رہنماؤں نے تو یہ اعلان کیا کہ ﴿لا اسئلکم علیه اجراً ان اجری الا علیٰ رب العلمین.﴾ اور تمہارے رسول نے تو مودۃ قربیٰ کا مطالبہ کر کے اپنی محنت و مشقت کا معاوضہ طلب کیا۔ (العیاذ باللہ)

اب ایک چوتھی تفسیر ملاحظہ ہو۔

نعیم الدین مراد آبادی فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کے درمیان مودت، محبت واجب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ المومنون و المومنت بعضھم اولیاء بعض اور حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان مثل ایک عمارت کے ہیں جس کا ہر ایک حصہ دوسرے حصے کو قوت اور مدد پہنچاتا ہو، جب مسلمانوں میں باہم ایک دوسرے کے ساتھ محبت واجب ہوئی تو سید عالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کس قدر محبت فرض ہوگی۔ معنی یہ ہیں کہ میں ہدایت و ارشاد پر کچھ اجرت نہیں چاہتا لیکن قرابت کے حقوق تو تم پر واجب ہیں۔ ان کا لحاظ کرو اور میرے قرابت والے تمہارے بھی قرابتی ہیں۔ انھیں ایذا نہ دو.......... الخ ۱۹۔

اس تفسیر میں منطقی ترتیب سے اہلبیت کی محبت کو بیان کیا گیا ہے۔ پہلے مومنوں

کی باہمی محبت کو، جو واجب ہے، پھر آنحضرت ﷺ کی محبت کو جو فرض ہے اور پھر آنحضرت کے قرابت والوں کو ایذا نہ دینے کا ذکر کیا گیا ہے جو ہمارے ہاں بالعموم محبت کرنے پر محمول کیا جاتا ہے.......... اگرچہ ایذا نہ دینے کو محبت پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ ایذا نہ دینا اور ہے، محبت کرنا اور ہے اور ان دونوں میں فرق بہت واضح ہے۔

اب ایک پانچویں تفسیر ملاحظہ ہوں:

مفتی احمد یار خان نعیمی فرماتے ہیں:

''یعنی تم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرو، اسلامی قرابت کا لحاظ رکھو'' رب فرماتا ہے ﴿والمومنون و المومنت بعضهم اولياء بعض﴾''.

یہ وہ مفہوم ہے جو پیر کرم شاہ الازہری کے ہاں بہت عمدگی سے بیان ہوا ہے۔

نیز وہ (یعنی مفتی نعیمی) اس قرآنی فقرہ کی دوسری تفسیریوں فرماتے ہیں: ''یا مجھ سے قرابتِ روحانی کی بناء پر محبت کرو کہ تم سب کی اصل ہوں'' ۔ علتِ مودت کے پہلو سے یہ وہ تفسیر ہے جس میں ہمارے نزدیک مفتی صاحب کو تفرد حاصل ہے۔ یہ تفسیر اگر کسی اور نے بھی کی ہو تو وہ ہمارے علم میں نہیں۔ (واللہ اعلم) بہرحال اجرِ رسالت کے حوالہ سے یہ تفسیر بھی معرضِ اعتراض میں ہے۔ فقط قرابت یا قرابتِ روحانی سے کیا فرق پڑتا ہے؟ اپنی علت کے اعتبار سے تو دونوں ایک ہیں۔

اس آیت کا دوسرا ترجمہ شیعی عقائد کا ترجمان ہے جو بنیادی طور پر روایات سے اخذ کر کے کیا گیا ہے۔ یہ روایات شیعہ اور سنی کتب میں بالعموم نقل ہوئی ہیں۔ ان روایات کی بنیاد پر یہاں قربیٰ کا معنی ذوی القربیٰ یعنی قرابت دار کیا جاتا ہے۔ چناں چہ ذیل میں ہم اس ترجمہ کو تحقیقی زاویہ سے دیکھتے ہیں۔

یہ امر واضح رہے کہ پہلے ترجمے کی رو سے القربیٰ کا مفہوم قرابت و رشتہ داری

ہے، جو بمطابق لغت بالکل درست ہے۔ البتہ اس دوسرے ترجمے کی رو سے قربیٰ کے معنی قرابت دار کیے جاتے ہیں حالاں کہ اس معنی کے لیے بالعموم جو لفظ استعمال کیا جاتا ہے وہ اَلْقُرَبَاء ہے جیسے کریم کی جمع کُرَمَاَ .... لفظ القربیٰ، اپنی وضعِ عربیہ کی رو سے یہ مفہوم ادا نہیں کرتا[۲۱]۔ اس ضمن میں محمد مالک کاندھلوی رقم طراز ہیں:

''حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿اِلَّا المودة فی القربیٰ﴾، تو اگر کسی تاویل کے ذریعے القربیٰ سے ذوی القربیٰ یعنی قرابت والے مراد لیے جائیں تو پھر کلامِ خداوندی میں القربیٰ یعنی قرابت داروں کے واسطے نہ کہ فی القربیٰ جیسے کہ آیتِ مبارک میں ہے اور قرآن میں جہاں بھی کہیں قرابت داروں کا ذکر ہے۔ وہاں لفظ ذوی القربیٰ کا لایا گیا۔ چناں چہ ارشاد ہے ﴿ واعلموا انما غنمتم من شیءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خمسه وللرسول ولذی القربیٰ.﴾ اور آیت ما افاء الله علی رسوله من اهل القریفللهِ وللرسول و لذی القربیٰ. اور اس طرح ﴿ فات ذا القربیٰ حقَّهُ اور اٰتی المال علیٰ حبه ذوی القربی ﴾، غرض جہاں بھی کہیں قرآن کریم کو قرابت داروں کا ذکر مقصود تھا وہاں لفظ ذوی القربیٰ آیا ہے نہ کہ فی القربیٰ۔ تو یہ بات واضح ہے کہ فی القربیٰ کا مفہوم وہی ہے جو اہلِ حق نے بیان کیا اور تمام ائمہ مفسرین سلف اور حضرات صحابہ سے نقل کیا گیا''[۲۲]۔

نیز کاندھلوی صاحب فرماتے ہیں:

''قرآن نے انبیاء علیہم السلام کے واجب الاتباع ہونے کی دلیل بھی بیان کی ہے وہ طالبِ اجرت نہیں ہوتے جیسا کہ سورۂ یٰسین ﴿ اتبعوا من لایسئلکم اجرا وهم مهتدون﴾. یعنی ان لوگوں کی پیروی کرو، جو تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتے اور وہ ہدایت پر ہیں تو آیت ﴿ الاالمودة فی القربیٰ ﴾ کا یہ مطلب تجویز کرنا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا[۲۳] طالبِ اجرت ہونا لازم آتا ہے۔ یہ آپ کے لازم الاتباع ہونے کو ساقط کر دے گا''

نیز فرماتے ہیں:

’’آیت مبارکہ کا یہ مطلب تجویز کرنا سراسر شانِ نبوت اور منصبِ رسالت کے خلاف ہے بلکہ مقامِ نبوت کے تقدس وعظمت پر ایک بہتانِ عظیم ہے۔ یہ شیوہ تو اہلِ دنیا اور خود غرض قسم کے لوگوں کا ہوتا ہے کہ کوئی کام کریں تو یہ چاہیں کہ اس کا فائدہ ان کی اولاد کو پہنچے۔ حالاں کہ اس قسم کے اوہام وشکوک سے تو انبیاء علیہم السلام کی ذات پاک کو پاک رکھنے کے لیے یہ قانون مقرر کیا گیا ہے کہ انبیا علیہم السلام کا کوئی ترکہ نہیں ہوتا اور ان کی اولاد، ورثہ ان کے مال کے وارث نہیں ہوتے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد حتیٰ کہ آزاد کردہ غلاموں پر صدقات حرام کر دیئے گئے.......... بہرکیف اگر یہ بات تصور کی جائے، جو شیعہ کہتے ہیں تو لامحالہ یہ ایک قسم کا معاوضہ ہوگا، خدماتِ نبوت کے انجام دینے پر جو قرآن کریم اور انبیاء علیہم السلام کے طرز کے سراسر منافی ہوگا۔ بار بار قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت وتبلیغ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا لا اسئلکم علیہ اجرا کہ میں اس پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان کے صریح خلاف ہوگا جو قرآن کریم نے متعدد جگہوں پر ذکر فرمایا۔ مثلاً

۱) ﴿ قل لا اسئلکم علیہ اجراً اِن ھو الا ذکریٰ للعلمین ﴾. (سورۃ انعام)

۲) ﴿ وما تسئلھم علیہ من اجرٍ اِن ھوالاذکر للعلمین ﴾. (سورۃ یوسف)

۳) ﴿ ام تسئلھم خرجاً فخراج ربک خیر و ھو خیرالرازقین ﴾. (سورۃ المومنون)

۴) ﴿ قل ما اسئلکم علیہ من اجرٍ الا من شاء ان یتخذ الیٰ ربہٖ سبیلا. ﴾ (سورۃ فرقان)

۵) ﴿ قل ما سالتکم من اجر .... فھو لکم ان اجری الا علی اللہ و ھو علیٰ کُلِّ شی ءٍ شھید ﴾. (سورۃ سبا)

۶) ﴿ قل ما اسلکم علیہ من اجر و ما انا من المتکلفین ان ھو الا ذکر

للعلمین ﴾ . (سورۂ ص)

۷) ﴿ اَم تسئلم اجراً فهم من مغرم مثقلون. ﴾ (سورۂ طور)

تو ان تمام آیات کے ہوتے ہوئے ایسا کوئی مطلب اختراع کرنا، جس سے منصبِ رسالت کی ذمہ داریاں ادا کرنے پر اُجرت و نفع کا طلب کرنا لازم آتا ہو، کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے۔ اگر بالفرض ایسا کوئی مضمون تصور کیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ دوسرے انبیاء سے گھٹ جائے کیوں کہ کسی اور پیغمبر نے تو اداءِ رسالت پر اس چیز کا مطالبہ نہیں کیا کہ اس کی اولاد اور قرابت داروں سے اس قسم کے منافع اور فوائد پہنچانے کا معاملہ کیا جائے'' ۔

سید مودودی فرماتے ہیں:

تیسرا گروہ ''قُربیٰ'' کو اقارب (رشتہ داروں) کے معنی میں لیتا ہے اور آیت کا مطلب یہ بیان کرتا ہے کہ ''میں تم سے اس کام پر کوئی اجر اس کے سوا نہیں چاہتا کہ تم میرے اقارب سے محبت کرو''۔ پھر اس گروہ کے بعض حضرات اقارب سے تمام بنی عبدالمطلب مراد لیتے ہیں اور بعض اسے صرف حضرت علی و فاطمہ اور ان کی اولاد تک محدود رکھتے ہیں۔ یہ تفسیر سعید بن جبیر اور عمرو بن شعیب سے منقول ہے اور بعض روایات میں یہی تفسیر ابن عباس اور حضرت علی بن حسین (زین العابدین) کی طرف منسوب ہے۔ لیکن متعدد وجوہ سے یہ تفسیر کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں ہوسکتی۔ اول تو جس وقت مکہ معظمہ میں سورۃ شوریٰ نازل ہوئی ہے۔ اس وقت حضرت علی و فاطمہ کی شادی تک نہیں ہوئی تھی، اولاد کا کیا سوال؟ اور بنی عبدالمطلب میں سب کے سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ بلکہ اُن میں سے بعض کھلم کھلا دشمنوں کے ساتھی تھے۔ ابولہب کی عداوت کو تو ساری دنیا جانتی ہے۔ دوسرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار صرف بنی عبدالمطلب ہی نہ تھے آپ کی والدہ ماجدہ، آپ کے والد ماجد اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ کے واسطے سے قریش کے تمام گھرانوں میں آپ کی رشتہ داریاں تھیں اور

ان سب گھرانوں میں آپؐ کے بہترین صحابی بھی تھے اور بدترین دشمن بھی۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ کس طرح ممکن تھا کہ ان سب اقرباء میں سے آپ صرف بنی عبدالمطلب کو اپنا رشتہ دار قرار دے کر اُس مطالبہ محبت کو انہی کے لیے مخصوص رکھے۔
تیسری بات جو ان سب سے زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ ایک نبی، جس بلند مقام پر کھڑا ہو کر دعوت الی اللہ کی پکار بلند کرتا ہے۔ اس مقام سے اس کارِ عظیم پر یہ اجر مانگنا کہ تم میرے رشتہ داروں سے محبت کرو، اتنی گری ہوئی بات ہے کہ کوئی صاحبِ ذوق اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اللہ نے اپنے نبی کو یہ بات سکھائی ہوگی اور نبی نے قریش کے لوگوں میں کھڑے ہو کر یہ بات کہی ہوگی۔ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے جو قصے آئے ہیں ان میں ہم دیکھتے ہیں کہ نبی پر نبی اٹھ کر اپنی قوم سے کہتا ہے کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اللہ رب العلمین کے ذمہ ہے۔ (یونس، ۷۲۔ ہود، ۲۹۔۵۱۔ الشعراء ۱۰۹۔۱۲۷۔۱۴۵۔۱۶۴۔۱۸۰) سورہ یٰسین میں نبی کی صداقت جانچنے کا معیار یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اپنی دعوت میں بے غرض ہوتا ہے۔ (آیت نمبر ۲۱) خود نبی کی زبان سے قرآن پاک میں بار بار یہ کہلوایا گیا ہے کہ میں تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ (الانعام ۹۰، یوسف ۱۰۴، المومنون ۷۲، الفرقان ۵۷، السبا ۴۷، ص ۸۶، طور ۴۰، القلم ۴۶) اس کے بعد یہ کہنے کا آخر کیا موقع ہے کہ میں اللہ کی طرف بلانے کا جو کام کر رہا ہوں اس کے عوض تم میرے رشتہ داروں سے محبت کرو۔ پھر یہ بات اور بھی بے موقع نظر آتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس تقریر کے مخاطب اہل ایمان نہیں بلکہ کفار ہیں۔[۲۵]

مذکورہ بالا ہر دو حضرات کی تفاسیر میں جو دلائل عقلی و نقلی دیے گئے ہیں، بلاشبہ وہ اس لائق ہیں کہ انھیں تسلیم کیا جائے اور دل میں جگہ دی جائے۔

اس آیت کا تیسرا ترجمہ وہ ہے جو سید محمد محدث کچھوچھوی نے کیا ہے۔[۲۶]

"کہہ دو میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی اجر، مگر دوستی قرابت داروں کی"

یہ ترجمہ، ایک پہلو سے اس ترجمے جیسا ہے جو اوپر مذکور ہوا لیکن دوسرے پہلو

سے اس کی دوسری تاویل بھی ممکن ہے۔ دوسری تاویل کے مطابق اس میں لفظ ''قرابت دار'' عام ہوگا۔ یعنی جہاں ''قرابت دار'' متکلم کا ہوسکتا ہے وہیں مخاطبین کا بھی ہوسکتا ہے۔ اس اعتبار سے آیت کا مفہوم یہ بنا کہ میں تم لوگوں کی دوستی تمہارے قرابت داروں میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ مگر ظاہر ہے کہ پہلی تاویل کی طرح یہ تاویل بھی محلِ نظر بلکہ مہمل ہے۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار ومشرکین میں باہمی دوستی کو اپنی تبلیغِ رسالت کا اجر کیوں قرار دیں گے؟ البتہ اگر یہاں ''قرابت داروں'' کی تاویل وہ کی جائے جو پیر محمد کرم شاہ الازہری کی تفسیر میں کی گئی ہے تو پھر ترجمہ ''مطابقِ سیاقِ کلام ہو کر درست ہو جائے گا۔

اس آیت کا چوتھا ترجمہ محمد علی کا ہے۔ ملاحظہ ہو:

''کہہ میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ مگر قریبیوں میں باہم محبت (چاہتا ہوں)''۔

اس ترجمہ کی تفسیر میں محمد علی فرماتے ہیں:

﴿الا المودۃ فی القربیٰ﴾ میں الا استثناء منقطع ہے اور اس سے مراد یا تو یہ ہے جیسا کہ عبداللہ ابن القاسم سے مروی ہے کہ میں تم سے کوئی اجر یا اپنی ذات کے لیے کوئی منفعت نہیں چاہتا۔ اگر چاہتا ہوں تو صرف یہی چاہتا ہوں کہ تم باہم محبت سے رہو یعنی اس میں اتفاق ویگانگت کی تعلیم ہے اور یا جیسا کہ حسن سے مروی ہے۔ قربیٰ بجائے قربۃ ہے اور مراد قربِ الٰہی کا حاصل کرنا ہے یعنی تم سے یہ چاہتا ہوں کہ اعمالِ صالحہ سے اللہ تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرنے کی تڑپ اپنے دلوں میں پیدا کرو۔ (روح المعانی) اور ان آخری معنوں پر خود قرآنِ کریم کی شہادت ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا قُل ماأسئلکم علیه من اجر اِلاّمن شاء ان یتخذ الیٰ ربه سبیلا. (الفرقان ۲۵۔۵۷)

یعنی میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ جو کوئی چاہے اپنے رب

کی طرف رستہ اختیار کرے۔ اب دونوں جگہ ایک ہی لفظ ہیں کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور دونوں جگہ بعد میں اِلاَّ آتا ہے، جو منقطع ہی ہوسکتا ہے نہ کہ متصل۔ پھر ایک جگہ اِلاَّ کے بعد یہ لفظ ہیں کہ جو کوئی چاہے اپنے رب کی طرف رستہ اختیار کرے اور دوسری جگہ مودت فی القربیٰ ہے۔ پس یا تو مودت فی القربیٰ سے مراد حصولِ قربِ الٰہی کی تڑپ اور محبت ہی ہے اور دونوں آیتیں ایک دوسری کی تفسیر کرتی ہیں اور یا ایک جگہ الیٰ ربہ سبیلا کہہ کر حقوق اللہ کی طرف اور دوسری جگہ مودت فی القربیٰ کہہ کر حقوق العباد کی طرف توجہ دلائی ہے[27]۔

یہ تفسیر گو اپنی جگہ بہت عمدہ ہے مگر مسئلہ پھر وہی ہے کہ جو اوپر .... کے ترجمہ میں مؤخر الذکر تاویل پر تبصرہ کے طور پر بیان کیا گیا........... ''قریبیوں میں باہم محبت'' سے مراد اگر مسلمان لیے گئے ہیں تو بلاشبہ یہ امر بجائے خود دین میں مستحسن اور مطلوب ہے۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ آیت میں اِس امر کے مخاطب مسلمان نہیں بلکہ کفار ہیں۔ اس لیے یہ ترجمہ بھی محدث کچھ چھوی کے ترجمے کی طرح مطابقِ سیاقِ عبارت نہیں مگر تفسیر چونکہ مطابقِ سیاقِ کلام ہے اس لیے موصوف کا ترجمہ، ان کی تفسیر کی روشنی میں درست قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس آیت کا پانچواں ترجمہ یہ کیا گیا ہے:

''تو کہہ دے میں اپنی خدمت کے بدلہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، سوائے اس محبت کے جو اپنے قریب ترین رشتہ داروں سے کی جاتی ہے''۔ (مرزا بشیر الدین محمود)

اس ترجمہ کی تفسیر بایں الفاظ کی گئی ہے:

''شیعہ لوگ اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ میں اور کوئی اجر نہیں مانگتا، صرف میرے رشتہ داروں سے محبت کرو۔ حالانکہ یہ بھی تو اجر ہے۔ اس آیت کے اصل معنی وہی ہیں جو ہم نے کیے ہیں۔ **المودة فی القربیٰ** چاہتا ہوں، یعنی بحیثیت رسول اس کا مطالبہ کرتا

ہوں کہ جو قریب ترین رشتہ داروں سے کی جاتی ہے، وہ مجھ سے کرو، چناں چہ ایک دوسری جگہ اس مضمون کو واضح کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ خدا اور رسول سے رشتہ داروں سے بھی زیادہ محبت ہونی چاہیے۔ چناں چہ فرمایا:

﴿ قل ان کان اباء کم و ابناء کم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم و اموالِ اقتر فتموھا و تجارۃ تخشون کسادھا و مسکن ترضونھا احب الیکم من اللّٰہ ورسولہ و جھادٍ فی سبیلہ فتر بصوا حتیٰ یاتی اللہ بامرہ ﴾

(سورۂ التوبہ ۲۴) یعنی اگر تمھیں خدا اور اس کے رسول کے مقابل پر اپنے والدین، بیٹوں، بھائیوں، بیویوں اور رشتہ داروں سے زیادہ محبت ہے اور اس طرح خدا اور رسول کے مقابلے میں اپنے اموال اور تجارتیں اور جائیدادیں زیادہ پسند ہیں تو پھر اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرو۔ جو یہ بتا دے گا کہ تم غلط طریقہ اختیار کیے ہوئے تھے۔ پس اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ہر مومن کو رشتہ داروں سے بڑھ کر خدا تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرنی چاہیے۔ یعنی اس کی بات کے مقابلہ میں کسی رشتہ دار کی بات نہیں ماننچاہیے[۲۸]۔

اس تفسیر پر ہمیں بھی وہی اعتراض ہے جو انھیں شیعہ لوگوں کے معنی پر تھا۔ اگر اپنے رشتہ داروں سے محبت کی طلب، اجر ہے تو اپنی محبت کی طلب بھی تو اجر ہے.........
دوسری بات یہ کہ مترجم ومفسر نے اس آیت کا مخاطب، مسلمانوں کو سمجھا ہے۔ حالاں کہ گزشتہ صفحات میں بتایا جاچکا ہے کہ اس آیت کا سلسلۂ بیان مسلمانوں سے خطاب پر مشتمل ہے ہی نہیں۔ لہٰذا ہمارے نزدیک یہ ترجمہ مطابقِ سیاق کلام نہیں۔

اس آیت کا چھٹا ترجمہ یہ کیا گیا ہے:

’’کہہ دو کہ میں اس پر تم سے کسی صلہ کا طالب تو ہوں نہیں، بس قرابت کا حق ہے جو ادا کر رہا ہوں‘‘۔ (امین احسن اصلاحی)

راقم کے خیال میں تاریخِ ترجمہ نگاری میں یہ اپنی نوعیت کا واحد ترجمہ ہے، جس

میں مترجم نے قرابت کی محبت کو ''قرابت کا حق'' قرار دے کر اسے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی منسوب کر دیا ہے...... اس ترجمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اجرتِ رسالت کے سوال کا ادنیٰ شائبہ بھی پیدا نہیں ہونے دیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ ترجمہ اصلاحی صاحب کے تفردات میں شامل ہے۔

اس ترجمہ کی تفسیر میں اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

'یہاں استثناء میرے نزدیک منقطع اور قربیٰ مصدر کے مفہوم میں ہےجس طرح زلفیٰ اور بشریٰ وغیرہ اسوزن کے دوسرے الفاظ ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ قریش کے ان برخود غلط لیڈروں کو آگاہ کردو کہ تمہاری .... تمام ناقدریوں، بے زاریوں اور دل آزاریوں کے باوجود میں اس طرح جو اپنے رات دن تمہارے پیچھے ایک کیے ہوئے ہوں تو یہ نہ سمجھو کہ اس میں میری کوئی ذاتی غرض پوشیدہ ہے جس کے لیے خدا کی طرف سے اس فضلِ عظیم کی بشارت ہے، جس کا اوپر ذکر ہوا۔ وہ بھلا تم سے کسی صلہ و معاوضہ کا طالب کیا ہوگا۔ میری یہ ساری سرگرمیاں اور بے قراریاں اس وجہ سے ہیں کہ میں اس حق قرابت سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں جو تمہارے اور میرے مابین ہے۔ تم میرے خاندان اور میری قوم کے لوگھو، اس وجہ سے مجھ پر یہ حق ہے کہ جو ہدایت اور آگاہی خدا کی طرف سے میں لے کر آیا ہوں۔ اس سے سب سے پہلے تم کو آگاہ کروں اور جس رحمت کی منادی کر رہا ہوں اس میں سب سے پہلے تمہیں شریک کرنے کی کوشش کروں۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ہمیشہ سے یہ سنت رہی ہے کہ انھوں نے اپنی دعوت کا آغاز اپنے خاندان اور قبیلہ کے لوگوں سے کیا اور جب تک ان سے وہ مایوس نہیں ہوگئے ہیں اس وقت تک انھوں نے دوسروں کی طرف توجہ نہیں کی ہے۔ اسی سنت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اول اول یہ ہدایت ہوئی کہ وانذر عشیرتک الاقربین (الشعراء ۲۱۴) (تم اپنے قریبی خاندان والوں کو آگاہ کرو) آپ کے

یہ قریبی قریش تھے جن کو پورے عرب کی دینی و سیاسی پیشوائی حاصل تھی۔ آپ نے سب سے پہلے ان کو انذار کیا اور ان کی تمام تعدیوں کے باوجود اس وقت تک آپ اس کام میں لگے رہے، جب تک انھوں نے اپنی ہٹ دھرمی سے مایوس نہیں کر دیا۔ بالآخر جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ آپ کے قتل و اخراج کے مشورے ہونے لگے تب آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدینہ کو ہجرت فرمائی[۲۹]۔

اصلاحی صاحب مزید فرماتے ہیں:

استاذ امامؒ اس آیت کو ذرا مختلف زاویہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ اس استثناء کو استدراک کے مفہوم میں لیتے ہیں اور آیت کی تاویل سورۂ سبا کی آیت نمبر ۴۷ ﴿ قل ماسالتکم من اجرٍ فھولکم ان اجری الا علی اللہ ﴾. (کہہ دو کہ میں نے تم سے کوئی اجر مانگا ہے تو تمہارے ہی لیے مانگا ہے۔ میرا اجر تو اللہ ہی کے ذمہ ہے) کی روشنی میں کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ میں جو تمھیں صلۂ رحم، ادائے حقوق، اور انفاق کی دعوت دیتا ہوں تو یہ نہ سمجھو کہ میں کوئی ذاتی غرض سامنے رکھ کر کر رہا ہوں بلکہ یہ تمہاری ہی دنیا اور آخرت کی بہبود کے لیے ہے۔ یہ مال تمہارے اغنیاء سے لے کر تمہارے ہی غرباء میں تقسیم کر دیا جائے گا اور اس طرح میں تمھیں مودت فی القربیٰ کی راہ دکھا رہا ہوں۔ اس میں میرا کوئی ذاتی فائدہ نہیں ہے۔

یہ امر یہاں رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اموالِ زکوٰۃ سے اپنے اور اپنے قرباء کے لیے کسی قسم کا استفادہ جائز نہیں رکھا تھا تاکہ اس طرح کی بدگمانی کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔

ان دونوں تاویلوں میں زیادہ بعد نہیں ہے اس لیے انقطاع اور استدراک دونوں ایک ہی نوع کی چیز ہے، تاہم دونوں میں کچھ فرق ہے۔ مجھے اگرچہ اپنی تاویل پر زیادہ اطمینان ہے تاہم میں مولاناؒ کی تاویل کو غلط نہیں کہتا۔

میرے نزدیک آیت کی صحیح تاویل یہی ہے جو اوپر بیان ہوئی............ الخ[۳۰]

خلاصہ کے طور پر عرض ہے کہ المودۃ فی القربیٰ کے متعدد تراجم، گزشتہ صفحات میں درج کیے گئے۔ ہمارے متذکرہ بالا منتخب کردہ تراجم ستہ میں سب سے زیادہ ہونے والا ترجمہ یہ ہے۔

''آپ فرما دیجیے اس (تبلیغِ رسالت) پر میں تم سے کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا، قرابت کی محبت کے سوا'' (احمد سعید کاظمی)

پھر اس مفہوم پر مشتمل ترجمہ کے متعدد تفسیری مطالب بیان کیے گئے۔ یہ مطالب بیان کرنے والے پیر محمد کرم شاہ الازہری، ثناء اللہ امرتسری، محمد مالک کاندھلوی، سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اور مفتی احمد یار خان نعیمی ہیں۔ تاہم ہمارے نزدیک ان میں سب سے بہتر، معیاری بلکہ راجح تفسیری مطالب وہ ہیں جو پیر کرم شاہ الازہری اور محمد علی نے بیان فرمائے ہیں۔ البتہ ترجمہ کی جامعیت کے پہلو سے امین احسن اصلاحی ان میں سرفہرست ہیں جن کا ترجمہ اپنے ابلاغ مفہوم میں اتنا واضح، نمایاں اور قطعی ہے کہ اسے اصلاً کسی تفسیر کی ضرورت و حاجت نہیں، گویا آپ اپنا تعارف ہوا بہار کی ہے.......... ذیل میں ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

'کہہ دو کہ میں اس پر تم سے کسی صلہ کا طلب تو ہوں نہیں، بس قرابت کا حق ہے، جو ادا کر رہا ہوں''۔

پھر اس جامع بلکہ منفرد ترجمہ پر ان کی تفسیر بلاشبہ سونے پر سہاگہ کا کام دے رہی ہے۔

الغرض ہمارے نزدیک ﴿المودۃ القربی﴾ کا صحیح اور کامل مفہوم وہی ہے جو پیر صاحب اور محمد علی کے .... تفسیری مطالب میں .... اور امین احسن اصلاحی کے ترجمہ اور تفسیر ہر دور میں، بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ تفسیر ثنائی، جلد ہفتم، ص ۸۹۔ میر محمد، کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، سنہ اشاعت درج نہیں۔

۲۔ تفسیر ماجدی، جلد دوم، ص ۹۷۱۔ (حاشیہ نمبر ۲۸) تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی، سنہ اشاعت درج نہیں۔

۳۔ ایضاً

۴۔ معارف القرآن (تکملہ) جلد ہفتم، ص ۲۵۱۔ مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ، شہداد پور، سندھ، طبع دوم ۱۴۲۲ھ۔

۵۔ تفہیم القرآن، جلد چہارم، ص ۵۰۲ (حاشیہ نمبر ۴۱) مکتبہ تعمیرِ انسانیت، لاہور، طبع ششم، ۱۹۷۴ء

۶۔ تدبرِ قرآن، جلد ہفتم، ص ۱۶۵۔ فاران فاؤنڈیشن، فیروز پور روڈ، اچھرہ، لاہور، طبع چہارم، ۸۸ء

۷۔ اردو ترجمہ قرآن، (سورۃ الشوریٰ مکیۃ) ص ۸۶۶، پیر محمد ابراہیم ٹرسٹ، کراچی نمبر ۵، سنہ اشاعت درج نہیں۔

۸۔ تدبر قرآن، جلد ہفتم، ص ۱۳۳، زیرِ عنوان، سورہ کا عمود اور زمانۂ نزول۔ فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۸۸ء

۹۔ تفہیم القرآن، جلد چہارم ص ۵۰۱۔

۱۰۔ قرآن کریم مع اردو ترجمہ و تفسیر، ص ۱۳۶۸۔ شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس، سنہ اشاعت درج نہیں۔

۱۱۔ معارف القرآن (تکملہ) ص ۲۵۵۔

۱۲۔ ضیاء القرآن جلد چہارم، ص ۳۷۶۔ (حاشیہ نمبر ۴۲) ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور ۱۳۹۹ھ

۱۳۔ تفسیر یہ ہے ''میرے ساتھ رشتہ داری کے تعلقات اور قرابت کی محبت کا تو لحاظ رکھا کرو۔ بالکل اغیار و اعداء نہ بن جاؤ''۔ بحوالہ تفسیر ثنائی، جلد ہفتم ص ۸۸۔

۱۴۔ تفسیر ثنائی، جلد ہفتم ص ۸۹۔

۱۵۔ معارف القرآن (تکملہ) جلد ہفتم، ص ۲۵۱۔

۱۶۔ ایضاً، ص ایضاً۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۲۵۲۔

۱۸۔ ضیاء القرآن، جلد چہارم ص ۳۷۷۔

۱۹۔ خزائن العرفان فی تفسیر القرآن، ص ۵۷۷، المجدد احمد رضا اکیڈمی، کراچی ۱۹۷۶ء

۲۰۔ تفسیر نور العرفان، ص ۷۷۵، پیر بھائی کمپنی لاہور۔

۲۱۔ ماخوذ از معارف القرآن (تکملہ) جلد ہفتم ص ۲۵۴۔

۲۲۔ معارف القرآن (تکملہ) جلد ہفتم، ص ۲۵۵۔

۲۳۔ ایضاً
۲۴۔ ایضاً، ص ۲۵۴۔۲۵۵۔
۲۵۔ تفہیم القرآن، جلد چہارم، ص ۵۰۱۔۵۰۲۔
۲۶۔ معارف القرآن (اردو ترجمۂ قرآن) ص ۵۸۳، گلوبل اسلامک مشن، امریکا، ۲۰۰۱ء
۲۷۔ بیان القرآن، جلد دوم، ص ۱۲۲۲۔۱۲۲۳۔ (حاشیہ نمبر ۲۹۶۵) احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام، لاہور بارِ سوم، ۱۹۷۲ء
۲۸۔ تفسیر صغیر، ص ۶۴۰، ناشر و سنہ اشاعت درج نہیں۔
۲۹۔ تدبر قرآن، جلد ہفتم، ص ۱۶۵۔
۳۰۔ ایضاً، ص ۱۶۵۔۱۶۶۔